تعاقب



جے ایم تیموری

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

تعاقب



جے ایم تیموری





تعاقب



کتابی شکل: پاکستانی پوائنٹ کمپوزنگ ٹیم









تعاقب از جے۔ایم تیموری

جنوری کی خنک شام میں ساحل سمندر پر موجود لوگوں کے لیے ڈوبتے ہوئے سورج کا یہ منظر اتنا سحر انگیز تھا کہ وہ سب اپنے ارد گرد سے بے نیاز اس حسین لمحے میں کھو سے گئے تھے۔زیادہ تعداد ینگ کپلز کی تھی جو اپنی زندگی کے ان لمحوں کو خوبصورت یاد بنالینا چاہتے تھے تاکہ اس مصروف زندگی میں اگر وہ دوبارہ کبھی اس پل سے محظوظ ہونے یہاں نہ بھی آ سکےں تو یہ یادیں اس احساس کو ہمیشہ زندہ رکھ سکیں گی جسے وہ آج محسوس کر رہے تھے۔

ان ینگ کپلز کے علاوہ یہاں لڑکے لڑکیوں کا ایک گروپ بھی موجود تھا جو خوب ہلا گلا کر رہا تھا۔تاریکی میں مدغم ہوتی روشنی، آسمان پر پھیلی شفق کی سرخی، پرسکون سمندر میں وقفے وقفے سے اٹھتی لہروں کا شور ماحول اسقدر خوابناک تھا کہ بس اس میں کھو جانے کو جی چاہتا تھا لیکن ماحول کا یہ ہوشربا طلسم بھی اس گروپ پر کوئی اثر نہیں مرتب کر رہا تھا۔وہ سب کے سب میوزک لگائے اپنی بے ہنگم سی اچھل کود میں مصروف تھے اور اسی گروپ میں سے ایک لڑکا ان سب سے کچھ دور سمندر پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔لہریں اس کے قدموں سے

آ کر ٹکراتیں لیکن وہ دونوں ہاتھ جیبوں میں ٹھونسے یوں اطمینان سے کھڑا تھا جیسے کوئی دلچسپ کھیل دیکھنے میں مشغول ہو۔ اچانک اس نے گردن گھما کر اپنے دوستوں کی طرف دیکھا وہ سب اس سے بے پرواہ لے گلے میں مشغول تھے۔ انہیں مصروف دیکھ کر وہ مطمئن ہو گیا۔ جوتے تو اس نے پہلے ہی اتار رکھے تھے۔ اب جھک کر اپنی جینز کے دونوں پائنچے فولڈ کیئے اور پھر سیدھا ہو کر آہستہ آہستہ سمندر کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ اس کے چہرے پر کسی بھی قسم کے ڈر یا خوف کا تاثر نہیں تھا بلکہ اس کے برعکس وہ بہت ہی متجسس نظر آ رہا تھا۔ اس کا دھڑ پوری طرح پانی میں ڈوب چکا تھا اور اب اسے پانی کے بڑھتے ہوئے دباؤ کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ اسی وقت اسے ایک چیخ سنائی دی۔ شاید اس کے دوستوں میں سے کسی نے اسے دیکھ لیا تھا لیکن اس نے پلٹ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی بلکہ آگے بڑھتا رہا۔ اچانک اس کے قدموں نے زمین چھوڑ دی اور وہ خود کو آگے کی طرف گرنے سے روک نہیں پایا۔ سمندر کا نمکین پانی تیزی سے اس کے نتھنوں میں گھستا چلا گیا۔ اس نے سانس روکنے کی کوشش کی لیکن پانی کا دباؤ اسقدر زیادہ تھا کہ وہ کامیاب نہیں ہو پایا۔ اس کا سانس گھٹنے لگا اور بالکل غیر ارادی طور پر اس نے زور زور سے ہاتھ پیر مارنے شروع کر دیئے۔ اس کا ذہن ماؤف ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے خود کو ہوش میں رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن اندھیرے بہت تیزی سے اس کے ذہن پر جھپٹنے لگے تھے۔



"وہاج! اپنا ہاتھ دو مجھے" ماؤف ہوتے ذہن کے ساتھ یہ وہ آخری الفاظ تھے جو اس کے کانوں نے سنے تھے اس کے بعد جیسے سارے احساسات ختم ہو گئے۔

آنکھ کھلی تو اس نے خود کو ہاسپٹل کے بیڈ پر لیٹے پایااس کے تمام دوست بھی وہیں موجود تھے۔ان سب کے چہروں سے پریشانی چھلک رہی تھی۔

"یہ تم لوگوں کے منہ کیوں لٹکے ہوئے ہیں"

"come on guys,!I am not dead yet"

اس نے مسکراتے ہوئے کہااور بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھنے کی کوشش کی۔

"come on guys,!I am not dead yet"

اس نے مسکراتے ہوئے کہااور بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھنے کی کوشش کی۔

"thanks to God and then thanks to Jimi"

یہ تو اچھا ہوا کہ شیبا نے تمھیں دیکھ لیا اور جمی تمھیں بچانے دوڑ پڑا ہم تو گھبرا ہی گئے تھے اور شکر ادا کرو اُن دو کوسٹ گارڈز کا جو وہاں اتفاقاً راؤنڈ لگانے آ گئے ورنہ تو نجانے کیا ہو جاتا" فری نے اسے مسکراتے دیکھ کر اطمینان سے کہا۔

"اوہ تو وہ چیخ اس سٹوپڈ شیبا کی تھی " اس نے یوں شیبا کو دیکھا جیسے اسے اس کی حرکت سخت ناگوار گزری ہو۔

by the way "وہاج! کیا میں جان سکتا ہوں کہ یہ کیا حرکت تھی جب تمھیں تیرنا نہیں آتا تو تم سمندر کے اتنے قریب گئے ہی کیوں" جمی کے لہجے میں خفگی کا عنصر نمایاں تھا۔

"میں تو صرف چہل قدمی کر رہا تھا" وہاج نے کسی قدر لاپروائی سے کہا۔

"کہاں بیچ سمندر میں" جمی نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"جمی " don't try to be my father! اس نے درشتگی سے کہا تو وہ ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

اس کے رویے نے سب کو ہی ہرٹ کیا تھا۔ وہ سب اپنی اپنی جگہ خاموش ہو گئے تھے لیکن وہ یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ وہاج حسن اپنے برے رویے پر کبھی معذرت کرے یہ اتنا ہی ناممکن ہے جتنا کہ رات کو سورج کا نکلنا۔ حالانکہ وہ پچھلے چھ سالوں سے ایک دوسرے کو

جانتے تھے۔ کالج کے فرسٹ ائیر سے لیکر اب فائنل ائیر تک نہ تو انھوں نے کسی کو اپنے گروپ میں شامل کیا تھا اور نہ کوئی ان کے گروپ سے نکل کر کسی اور گروپ میں شامل ہی ہوا تھا لیکن وہاج کا پل پل بدلتا مزاج کبھی کبھی انھیں ایک پل میں ہی اجنبی بنا دیا کرتا تھا اور اب تو وہ سب ہی اس کے مزاج کے عادی ہوتے جا رہے تھے۔ پھر بھی کبھی کبھی اس کا رویہ انھیں بہت ہرٹ کر جاتا تھا اور پچھلے کچھ عرصے سے تو اس کے اس رویے میں کافی تلخی در آئی تھی۔ دو بار ایکسیڈنٹ میں اس کی جان جاتے جاتے بچی تھی۔ اب تک وہ اسے محض حادثہ ہی سمجھتے آئے تھے لیکن آج کے واقعے نے انھیں شک میں مبتلا کر دیا تھا۔

دروازہ کھلا تو حسن آفندی اور سلمی حسن آگے پیچھے چلتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

"وہاج what,s wrong with you! بیٹا! تمھارا دھیان کہاں ہوتا ہے آجکل" سلمی اس کے پاس بیڈ پر آکر بیٹھ گئیں جبکہ حسن آفندی بہت غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"مام! بس ذرا پیر پھسل گیا تھا nothing to worry" اس کا لہجہ ہلکی سی بیزاری لیے ہوئے تھا۔ اس کے لہجے نے حسن آفندی کو چونکایا ضرور تھا لیکن وہ کچھ بولے نہیں۔

"انکل! آئی تھنک ہم لوگوں کو اب چلنا چاہیے۔ ویسے بھی اب آپ اور آنٹی تو ہیں ہی یہاں، اس کا خیال رکھنے کے لیے۔ حالانکہ جو خود اپنا خیال نہ رکھنا چاہے اس کے لے دوسرے کیا کر سکتے ہیں"

جمی کو بھی اس کا لہجہ برا لگا تھا اس لیے وہ کہے بغیر نہ رہ سکا اور پھر تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔اس کے پیچھے باقی دوست بھی چلے گئے۔

"وہاج !تمھیں کوئی پرابلم تو نہیں کوئی ایسی بات جو تم ہم سے شیئر کرنا چاہو " حسن آفندی نے بڑی عجیب نظروں سے اسے دیکھا۔

"no dad! "اس نے لاتعلقی سے کہا تو سلمی اس کے انداز دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

"اگر واقعی کچھ نہیں تو ان سب باتوں کا کیا مطلب ہے حادثہ ایک بار ہو سکتا ہے،دو بار ہو سکتا ہے لیکن تیسری بار تم کیوں ہمیں کچھ اور سوچنے پر مجبور کر رہے ہو " نہ چاہتے ہوئے بھی ان کا لہجہ سخت ہو گیا تھا۔

"اب میں کیا کہہ سکتا ہوں سوائے اس کے کہ یہ آپ کا وہم ہے any way "dad! I want to take some rest"

اس نے کندھے اچکا کر کہا اور لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔

" you "اس سے پہلے کہ وہ غصے میں کچھ کہتے سلمی نے انھیں روک دیا۔

"اس وقت بات کرنا ٹھیک نہیں ہم اس سے بعد میں ڈسکس کریں گے "سلمی نے کہا تو وہ ایک گہرا سانس بھر کر رہ گئے۔

☆☆☆

وہ جم جانے کے لیے کمرے سے نکلا تو حسن آفندی لاؤنج میں ہی موجود تھے لیکن وہ انھیں نظر انداز کرتا انٹرنس ڈور کی طرف بڑھ گیا اور وہ جو اتنی دیر سے اسی کے انتظار میں یہاں بیٹھے تھے، اسے یوں لاتعلقی سے اپنے قریب سے گزرتے دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھے۔

"وہاج" !

"یس ڈیڈ! " اپنا نام سن کر وہ رک ضرور گیا تھا لیکن اس نے پلٹ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

come here "مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے" انھوں نے بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

"ڈیڈ! میں جم سے لیٹ ہو رہا ہوں۔ آپ پھر کبھی بات کر لیجئے گا"

اس نے اکتائے ہوئے انداز میں کہتے ہوئے پلٹ کر انھیں دیکھا۔اس کے اس انداز پر انھیں غصہ تو بہت آیا لیکن وہ برداشت کر گئے۔

"بیٹھو ادھر آکر پانچ منٹ سے کوئی فرق نہیں پڑ جائے گا " انھوں نے قطعیت سے کہا تو وہ کندھے اچکاتا ان کے بالکل سامنے والے صوفے پر آکر بیٹھ گیا۔

پچھلے کچھ مہینوں میں اس کی عادات اور سوچ تک میں ایک نامعلوم سی تبدیلی آچکی تھی کہ ان کے لیے یہ سب کچھ حیران کن تھا۔ بچپن ہی سے وہ کچھ منفرد لیکن بریلینٹ تھا۔ ہمیشہ روٹین سے ہٹ کر کچھ نیا اور منفرد کرنے کی کوشش میں رہتا تھا۔ اب تک تو وہ اسے اچھا سائن سمجھتے آئے تھے لیکن اب اس کی یہی خوبی ان کے لیے پریشانی کا باعث بن گئی تھی۔ وہ بغور اس کا جائزہ لینے لگے۔ فرنچ کٹ ڈاڑھی، کندھوں تک آتے بال جن کی شاید کئی مہینوں سے کٹنگ نہیں کروائی گئی تھی، گلے میں لٹکتی موٹی سی سلور چین، ایک لمبی بلیک ڈوری سے لٹکتا سلور، بلیک کلر کا پینڈنٹ، کلائی پر بندھا بریسلٹ، بلیک کلر کا ٹراؤزر جس کے ایک پائنچے پر وائٹ کلر سے scorpio پینٹ کیا گیا تھا اور بلیک اینڈ وائٹ لائننگ کی ٹی شرٹ پہنے وہ کہیں سے بھی انڈسٹریلیسٹ حسن آفندی کا اکلوتا بیٹا نظر نہیں آرہا تھا۔

"یہ کیا حالت بنا رکھی ہے اپنی نہیں تو کم از کم ہماری ہی عزت کا خیال کر لیا کرو" انھوں نے قدرے ناگواری سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ کا ارادہ بے بی سٹر بننے کا ہے تو آئی ایم سوری میں" اس کے یوں بدتمیزی سے بات کرنے پر وہ ایکدم غصے میں آ گئے۔

"شٹ اپ یو ایڈیٹ! تم شاید بھول سکتے ہو کہ تم وہاج حسن آفندی ہو لیکن لوگ نہیں بھول سکتے" نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی آواز کافی بلند ہو گئی تھی اور اس کا احساس بھی انھیں

وہاج کے چہرے پر برہمی کے آثار دیکھ کر فوراً ہی ہو گیا۔اس سے پہلے کہ وہ اپنے اس شدید رویے کی وضاحت کرتے وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا انٹرنس ڈور کراس کر گیا۔

"وہاج! " اسے یوں غصے میں جاتا دیکھ کر انھوں نے اسے پکارا لیکن ان کی آواز انٹرنس ڈور کو زور سے بند کیے جانے کے دھماکے میں دب کر رہ گئی۔

"یہ کیسا شور ہے حسن! " آوازیں سن کر سلمی بھی کمرے سے نکل آئیں۔

"پتا نہیں یہ لڑکا کیا کرنے والا ہے" ان کے لہجے میں پریشانی کا عنصر نمایاں تھا۔

"میرا خیال ہے آپ اس کے بارے میں over concious ہو رہے ہیں۔اس عمر کے بچے freedom چاہتے ہیں اور یہ غلط بھی نہیں۔ہماری ایڈوائسسز اسے انٹرفیئرنس لگتی ہے اسی لیے وہ کبھی کبھی ہائپر ہو جاتا ہے but there is nothing to worry وقت کے ساتھ ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا اب آپ جلدی سے تیار ہو جاؤ ورنہ آج شام کی پارٹی کے لیے ہم لیٹ ہو جائیں گے " وہ انھیں تسلی دیتی واپس کمرے میں چلی گئیں۔

"جو میں دیکھ سکتا ہوں وہ تم نہیں دیکھ پا رہی ہو سلمی! " ان کی پیشانی پر شکنوں کا ایک جال سا بن گیا تھا۔





وہاج ریموٹ ہاتھ میں لیے مسلسل کمرے میں ٹہل رہا تھا اور ٹی وی کے چینلز ایک کے بعد ایک بدلتے جا رہے تھے۔ ہر چینل کے ساتھ ہی اس کے چہرے کا زاویہ مزید بگڑ جاتا۔ آخر تنگ آکر اس نے ٹی وی آف کیا اور ریموٹ بیڈ پر اچھال دیا۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ دستک کی آواز سن کر بے اختیار ہی اس کے چہرے پر جوش کے تاثرات ابھر آئے تھے۔

"یس کم ان" اس نے اپنے مخصوص سخت لہجے میں کہا تو بوڑھے شرفو بابا گرم دودھ کا گلاس ہاتھ میں پکڑے اندر چلے آئے۔ گھر کے تمام نوکروں میں سے ایک شرفو بابا ہی تھے جنھیں اس نے اپنے کمرے میں آنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ وہی اپنی نگرانی میں اس کے کمرے کی صفائی وغیرہ بھی کروایا کرتے تھے، ورنہ باقی سب نوکر تو اس کے غصیلے مزاج سے بہت ڈرتے تھے۔ ایک تو ویسے ہی وہ گھر میں بہت کم رہتا تھا اور جب گھر میں موجود ہوتا تو سب پوری کوشش کرتے کہ اس سے ان کا سامنا نہ ہو۔

"اور کچھ چاہیے بیٹا!" شرفو بابا نے دودھ کا گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے ہمیشہ کی طرح پوچھا۔



"نہیں میں اب سونے لگا ہوں اور سب سے کہہ دیں کہ مجھے کسی بھی وجہ سے ڈسٹرب نہ کیا جائے کسی بھی وجہ سے" اس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"جی بہتر" شرفو بابا نے حیرانی سے اسے دیکھا کہ آخر اسے آج اس تاکید کی ضرورت کیوں پیش آئی لیکن سوال کرنے کی نہ تو انھیں اجازت تھی اور نہ جراءت ہی۔اس لیے خاموشی سے کمرے سے چلے گئے۔

ان کے کمرے سے نکلتے ہی وہاج نے دروازہ لاک کیا پھر جیب سے ایک شیشی نکال کر اس کی ساری ٹیبلٹس دودھ کے گلاس میں انڈیل دیں۔ چمچ سے اچھی طرح ملانے کے بعد جب اسے یقین ہو گیا کہ ساری گولیاں دودھ میں مل چکی ہیں تو اس نے چمچ پلیٹ میں رکھا اور گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔دودھ نیم گرم تھا اور اس کا ذائقہ بھی کچھ عجیب سا تھا پھر بھی وہ اُسے ایک ہی سانس میں پی گیا۔خالی گلاس واپس پلیٹ میں رکھ کر اس نے خالی شیشی اٹھائی اور اسے کمرے کے کارنر میں رکھے ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔اب وہ کافی مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔واپس بیڈ پر آکر اس نے ٹی وی آن کیا،اس پر MTV چینل سیٹ کیا،ریموٹ سائیڈ پر اچھال دیا اور خود بیڈ کے سرہانے سے ٹیک لگائے چینل پر چلتے انگلش میوزک کا مزہ لینے لگا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد نیند اس پر حاوی ہونے لگی۔ اس نے آنکھیں کھلی رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن اس کے اعصاب بہت تیزی سے سن ہوتے جا رہے تھے۔ ڈوبتے

ہوئے حواس میں آخری آواز جو اس کے کانوں سے ٹکرائی وہ اس کے موبائل کے بجنے کی تھی اور پھر دماغ کسی کیمرے کے شٹر کی طرح بند ہو گیا۔

☆☆☆

حسن آفندی اور سلمی حسن حیران رہ گئے تھے۔ وہ دونوں تو یہ سوچ سوچ کر بے حال ہوئے جا رہے تھے کہ آخر اسے کس چیز کی کمی تھی جو وہ یوں زندگی سے بیزار ہو چکا تھا اور اب تو شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی تھی کہ وہاج کے کمرے میں موجود ڈسٹ بن سے نیند کی گولیوں کی خالی شیشی ملی تھی۔ جسے اب تک وہ محض حادثے سمجھتے آئے تھے وہ اس کی خودکشی کی کوششیں تھیں، یہ جان کر تو ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ہی ختم ہو کر رہ گئی تھیں۔ اس بار بھی وہ بس اتفاقاً ہی بچ گیا تھا ورنہ اس نے تو خود کو مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ شرفو بابا کو اُس کے کمرے میں سے کچھ لے نا تھا، وہاج کے منع کرنے کے باوجود اُنہوں نے دروازے پر دستک دی تھی مگر جب کئی بار کی دستک کے بعد بھی دروازہ نہیں کھلا تو شرفو بابا نے حسن آفندی کو بتاے ا۔ پھر دروازے کو توڑ دے اگے ا۔ تقدیر کو شاید کچھ اور منظور تھا۔ وہ بچ تو گیا تھا لیکن اس نے گولیاں اتنی زیادہ تعداد میں کھائی تھیں کہ معدہ واش کرنے کے باوجود بھی اس کی حالت ابھی پوری طرح سنبھلی نہیں تھی اس لیے ڈاکٹرز اسے مزید دو تین دن ہاسپٹل میں ہی رکھنے پر زور دے رہے تھے اور حسن آفندی اور

سلمی تو اس حد تک اس کے اقدام سے خوفزدہ ہو چکے تھے کہ انھوں نے ایک بار بھی اسے گھر لے جانے کی بات نہیں کی تھی بلکہ فوراً ہی ڈاکٹرز کی بات مان لی تھی۔

ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر وہ گھر آیا تو حسن آفندی اپنے ایک دوست کے مشورے پر اسے سائیکو انالسٹ کے پاس لے گئے۔سائیکو انالسٹ کے سامنے بیٹھے اس کا منہ چیونگم چباتے ہوئے تیزی سے چل رہا تھا۔اس کے چہرے پر کسی بھی قسم کی گھبراہٹ یا پریشانی کا تاثر نہیں تھا لیکن بیزاریت اس کے ہر انداز سے نمایاں تھی۔

سائیکو انالسٹ چالیس سالہ ایک وجیہہ شخص تھا جو بغور اس لڑکے کا جائزہ لے رہا تھا، جس کی عمر بمشکل اکیس بائیس سال تھی اور وہ چار بار خودکشی کی کوشش کر چکا تھا۔

"تو وہاج! کیا کرتے ہو تم؟" اس کے چہرے پر نظریں جمائے اس نے پوچھا۔

"کچھ نہیں"

"اچھا لیکن مجھے تو بتایا گیا ہے کہ تم بی۔ایس۔سی آنرز کر رہے ہو" اس نے دوستانہ انداز میں مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کیا آپ واقعی سائیکو انالسٹ ہیں" اس نے چیونگم چباتے چباتے رک کر پوچھا۔

"یس آف کورس کیوں کوئی شک ہے کیا"

"تو پھر آپ وہ پوچھیں جس کے لیے مجھے یہاں لایا گیا ہے جو چیزیں آل ریڈی میری فائل میں موجود ہیں ان کے متعلق سوال پوچھ کر آپ کیوں اپنا اور میرا وقت ضائع کر رہے ہیں "
اس نے اطمینان سے کہا اور دوبارہ چیونگم چبانے میں مصروف ہو گیا۔

اس نے بے اختیار ایک گہرا سانس بھرا تھا۔اسے یہ ماننے میں کوئی عار نہیں تھی کہ اس کے سامنے بیٹھا یہ نوجوان اس کی دس سالہ پریکٹس میں سب سے مشکل اور بے حد ذہین پیشنٹ تھا۔

"اوکے ایزیو وش مرنا کیوں چاہتے ہو تم ؟"اس نے براہ راست سوال کیا۔

"ابھی اس سوال پر غور کرنا باقی ہے " وہاج کا اطمینان قابل دید تھا۔

that,s strange "یعنی چار بار خودکشی کی کوشش کرنے کے باوجود تم اس کی وجہ نہیں جانتے " اس نے جتلاتے ہوئے کہا۔

let me correct you first "چار نہیں تین بار۔۔۔۔۔۔پہلی بار واقعی حادثہ تھا"

"اور تم چاہتے ہو کہ میں اسے سچ مان لوں"

"نہ مانیں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا"اس نے بے فکری سے کہا۔

"اوکے لیو اٹ یہ بتاؤ کہ بار بار خودکشی کی کوشش کیوں کرتے ہو " اس نے اسی سوال کو ذرا مختلف انداز میں پوچھا۔

"ہوں یہ سوال ذرا معقول ہے let me see ویسے اس سوال کا سیدھا جواب تو یہ ہے کہ "I am fed up with my life" وہاج نے پہلی بار ذرا سوچتے ہوئے جواب دیا تھا تو انالسٹ کے چہرے پر اطمینان پھیلتا چلا گیا کہ اب وہ اسے اپنی راہ پر لانے میں کامیاب ہو رہا تھا۔

"کیوں ظاہر ہے زندگی سے تمھاری یہ بیزاری بلاوجہ تو نہیں ہو سکتی نا؟" اس نے جان بوجھ کر سوال کرنے کے ساتھ اپنی رائے بھی دے دی تا کہ وہ اسے بنا سوچے رد نہ کر سکے۔

"may be" اس کا انداز جان چھڑانے والا تھا۔

"but I am sure تمھارا اکیڈمک کیریئر اتنا شاندار ہے اور پھر تمھارا فیملی بیک گراؤنڈ جس طرح کا ہے، مجھے نہیں لگتا کہ کوئی بھی آسائش تمھاری پہنچ سے دور ہے اس کے باوجود بھی اگر تم زندگی سے خوش نہیں ہو تو لازمی کوئی نہ کوئی ٹھوس وجہ تو ہو گی ہی" اس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں پتا کہ ٹھوس وجہ آپ کی نظر میں کیا ہوتی ہے میں تو بس خوشی ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا ہوں جو میرے پاس نہیں"........

"joy and happiness"



"خوشی اور وہ بھی موت میں کیا زندگی کی آسائشیں کم پڑ گئی ہیں جو تم موت میں خوشی تلاش رہے ہو اور اگر ایسا ہے بھی تو تم دنیا کے بے وقوف ترین انسان ہو کیوں کہ موت تو نام ہی احساس کا ختم ہو جانا ہے پھر تمھیں خوشی کیسے مل سکتی ہے " اس نے بڑے ہی ماہرانہ انداز میں اس کی برین واشنگ کرنے کی کوشش کی۔

"یہ بات مجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے لیکن پرابلم یہ ہے کہ جب احساس ہی ختم ہو جاتا ہے تو خوشی ملتی ہے یا نہیں، کیسے پتا چل سکتا ہے بس یہی چیز مجھے کنفیوژ کر رہی ہے" مقابل بھی وہاج حسن تھا جو اتنی آسانی سے قابو میں آنے والوں میں سے نہیں تھا۔

"اور جب تک تمھاری یہ کنفیوژن دور نہیں ہو جاتی تم خودکشی کی کوششیں جاری رکھو گے" اس کے جواب سے اس نے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے پوچھا۔

"خاصے ذہین ہیں آپ " اس نے سراہتے ہوئے کہا۔

"ذہین تو تم بھی ہو فرق صرف اتنا ہے کہ تم اپنی ذہانت کا غلط استعمال کر رہے ہو" اس نے ایک اور کوشش کی۔

"رئیلی نئی اطلاع ہے" اس نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا لیکن وہ نظر انداز کر گیا۔

look "وہاج!زندگی صرف ایک بار ملتی ہے اسے یوں ضائع مت کرو اگر تمھیں جینے کے اتنے مواقع مل چکے ہیں تو ضروری نہیں کہ اگلی بار بھی ایسا ہی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ تم یہاں سے قدم باہر نکالو اور اگلے ہی موڑ پر موت تمھاری منتظر ہو یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آگے ایک طویل زندگی تمھارا انتظار کر رہی ہو خوشی ڈھونڈنے سے نہیں ملتی اور جیسے تم ڈھونڈ رہے ہو ویسے تو بالکل بھی نہیں۔ کسی دوسرے کو خوشی دے کر ہی ہم خوشی پا سکتے ہیں اگر واقعی تم سچی خوشی پانا چاہتے ہو تو آج کا سیشن ہم یہیں ختم کرتے ہیں۔ باقی باتیں ہم اگلی سٹنگ میں کریں گے" وہاج کے چہرے پر بیزاری کے آثار دیکھ کر اس نے اپنی بات جلدی سے سمیٹ دی۔

"وٹ ابھی اگلی سٹنگ باقی ہے؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہ سِٹنگز تو ابھی چلیں گی جب تک کہ میں تمھیں یا تم مجھے قائل نہیں کر لیتے" اس نے خوشدلی سے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ منہ بناتا اس کے کیبن سے باہر نکل گیا۔

وہاج کے جاتے ہی اس نے حسن آفندی کو اپنے کیبن میں بلا لیا۔

"مجھے کافی سِٹنگز کرنی پڑیں گی وہاج کے ساتھ ڈیٹس آپ میری سیکرٹری سے لے لیجیے گا فی الحال صرف اتنا کہوں گا کہ آپ اسے وقت دیں۔ کوشش کر کے ہر روز کچھ گھنٹے اس کے ساتھ گزاریں، اسے احساس دلائیں کہ آپ کو اس کی پرواہ ہے۔ کیوں کہ ایسی حرکتیں

عموماََ بچے اپنے پیر نٹس کی توجہ حاصل کرنے کے لیے بھی کیا کرتے ہیں " اس نے انتہائی سنجیدگی سے انھیں بریف کیا تو وہ شکریہ ادا کر کے چلے آئے۔

☆☆☆

پچھلے چھ ہفتوں سے حالات کافی پر سکون جا رہے تھے۔سائیکو انالسٹ کے ساتھ وہاج کے اب تک چار سیشن ہو چکے تھے اور چوتھے سیشن کے بعد سے تو اس میں کافی تبدیلیاں نظر آ رہی تھیں۔اب وہ زیادہ تر یا تو سوچوں میں گم رہتا یا پھر خود سے ہی الجھتا نظر آتا۔

کزن کی منگنی کا فنکشن اٹینڈ کرنے کے لیے سلمی نے جب وہاج کو اپنے ساتھ اسلام آباد چلنے کو کہا تو تھوڑی سی پس و پیش کے بعد وہ مان گیا۔حالانکہ وہ فیملی گیدر نگ سے ہمیشہ گھبراتا تھا لیکن اس بار اس کے اتنی جلدی مان جانے پر وہ حیران بھی تھیں اور خوش بھی۔وہ دونوں کل شام ہی اسلام آباد پہنچے تھے۔فنکشن آج تھا لیکن آج صبح آنے والے زلزلے نے سب کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔مار گلہ ٹاور کے جو بلاک زلزلے سے متاثر ہوئے تھے ان میں کچھ relativesاور فیملی فرینڈز بھی زخمی ہو گئے تھے۔ اس لیے فنکشن فی الحال postponeکر دیا گیا تھا۔اور صبح سے ہر نیوز چینل آج زلزلے کو ہی ہائی لائٹ کر رہا تھا،خاص طور پر ملک کے شمالی علاقے۔اور وہاں کی جو حالت تھی وہ دیکھ دیکھ کر وہاج کو

وحشت ہونے لگی تھی۔وہ موت میں ہمیشہ خوشی تلاش کرتا آیا تھا لیکن اتنا عبرت ناک انجام دیکھ کر اسے عجیب سی گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔اسی لیے وہ بغیر کسی کو بتائے کزن کی گاڑی لیکر باہر نکل آیا۔اس کا خیال تھا کہ باہر کھلی فضا میں آکر وہ ان مناظر کو بھول پائے گا اور اس کی بے چینی بھی دور ہو جائے گی لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی کیوں کہ ڈرائیو کرتے ہوئے بھی بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے وہی مناظر آرہے تھے۔کبھی کوئی ٹوٹا ہوا گھر روتا ہوا بچہ وحشت زدہ عورتیں بے بس مرد اس کے کانوں میں مسلسل آوازیں گونج رہی تھیں۔اچانک ایک سائیڈ سے ،بھاگتا ہوا ایک نوجوان اس کی گاڑی کے سامنے آگیا۔اسے بچانے کے لیے اس نے بڑی مہارت سے سٹےرنگ بائیں طرف گھمایا لیکن پھر بھی کار کا بمپر اس کی دائیں ٹانگ سے ٹکرایا اور وہ اچھل کر دور جا گرا۔خدا کا شکر کہ اس روڈ پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔اس لیے کوئی بڑا حادثہ ہونے سے بچ گیا۔گاڑی کے بریک کچھ دے ر تک چرچرائے اور وہ فرنٹ ڈور کھول کر تقریباً بھاگتے ہوئے اس نوجوان کے پاس آیا۔ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ زخمی وہ خود نہیں بلکہ کوئی اور تھا۔اس کی دائیں ٹانگ خون میں لت پت تھی لیکن وہ سانسیں لے رہا تھا۔اس نے اپنے بازوؤں میں اسے اٹھایا تو اسے کچھ عجیب سی فیلنگ ہوئی جسے وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھا لیکن اس وقت موقع ایسا تھا کہ اس نے سر جھٹکا اور

اسے لا کر کار کی پچھلی نشست پر لٹا دیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ اس نے نظریں گھما کر پیچھے اس پر ایک نظر ڈالی اور پھر گاڑی سٹارٹ کر کے اس کا رخ ہاسپٹل کی طرف موڑ دیا۔
وہاج ہاسپٹل کے کوریڈور میں کھڑا خود پر حیران ہو رہا تھا کہ وہ نہ صرف اس زخمی نوجوان کو ہاسپٹل تک لے آیا تھا بلکہ اب تک یہاں موجود بھی تھا۔ اپنے اندر آنے والی اس اچانک تبدیلی نے کسی حد تک اسے الجھا بھی دیا تھا۔ اچانک ڈاکٹر نے آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک اٹھا۔

"پریشانی والی کوئی بات نہیں۔ چوٹیں معمولی نوعیت کی تھیں ہم نے بینڈج کر دی ہے۔ صرف تھائی پر بمپر لگنے کی وجہ سے ماس پھٹ گیا تھا تو ہمیں سٹیچز لگانے پڑے۔ اب آپ انھیں گھر لے جاسکتے ہیں"

ڈاکٹر اس کے کندھے پر تھپکی دیتا آگے بڑھ گیا اور وہ خود بڑے ہی نپے تلے قدم اٹھاتا اس کمرے کی طرف بڑھنے لگا جہاں سے ابھی ابھی ڈاکٹر باہر نکلا تھا۔

کمرے کے اندر جانے کے لیے ابھی اس نے ہینڈل لاک پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ دروازہ خود بخود کھلتا چلا گیا اور اس کے سامنے وہی نوجوان دروازہ پکڑے کھڑا تھا۔ اس کی چوٹیں اگر شدید نوعیت کی نہیں تھیں تو اتنی معمولی بھی نہیں تھیں کہ وہ بنا سہارے کے آرام سے کھڑا رہ پاتا۔

"ہیں تم یہاں کیا کر رہے ہو" وہاج نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے کندھے پر رکھ لیا۔

"مجھے جانا ہے فوراً میرے گھر والے نجانے کس حال میں ہونگے"

اس نے اتنے بکھرے ہوئے لہجے میں کہا کہ وہ چونک اٹھا۔ اس وقت اس کی جو حالت تھی اس میں اپنے علاوہ کسی اور کے بارے میں اس کی فکر مندی وہاج کو حیران کر رہی تھی۔ وہ خود بھی ایسی ہی کنڈیشن سے کتنی بار گزر چکا تھا لیکن اس کے چہرے کے تاثرات اس کے لیے نا قابل فہم تھے۔

"ٹھیک ہے میں تمھیں تمھارے گھر تک ڈراپ کر دیتا ہوں " وہ سر جھٹک کر اسے سہارا دیئے گاڑی تک لے آیا۔ پھر فرنٹ سیٹ پر اسے بٹھا کر خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔

"تمھیں جانا کہاں ہے؟ " گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے مین روڈ پر آ کر اس نے پوچھا۔

"بس سٹینڈ بارہ بجے کی بس ہے میری پلیز مجھے جلدی سے وہاں پہنچا دو" نوجوان نے بڑے ہی عجلت بھرے انداز میں کہا۔

"بس سٹینڈ۔ میں سمجھا نہیں ابھی تو تم اپنے گھر والوں کے لیے پریشان تھے اور اب" وہاج نے الجھ کر اسے دیکھا جواب ہولے ہولے کچھ بڑبڑا رہا تھا لیکن اس کی آواز اتنی ہلکی تھی

کہ وہ کچھ سن ہی نہیں پایا۔ اس کی اس عجیب و غریب حالت نے وہاج کو اور بھی الجھا دیا۔ اس نے گاڑی سائیڈ پر روک کر اس کے کندھے پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈالا تو وہ چونک اٹھا۔

"کیا پہنچ گئے ؟ " اس نے بڑی ہی بے تابی سے کار سے باہر نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں لیکن میں تمھیں سمجھ نہیں پا رہا ہوں تمہارا behaviour کچھ عجیب سا ہے "

"اس وقت میں تمھیں کچھ نہیں سمجھا سکتا دوست !میرے پاس وقت بالکل نہیں۔ بس تم مجھے بس سٹینڈ پہنچا دو " اس کا لہجہ آخر میں کچھ التجائیہ ہو گیا۔

"پہنچا تو دوں لیکن کیا تمھیں لگتا ہے کہ بارہ بجے والی بس اب تک تمھارے انتظار میں رکی ہوئی ہو گی " نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

"کیا مطلب ؟ " اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں لہراتے ڈر اور خوف کے سائے وہاج کی نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکے۔

"اس وقت ایک بج رہا ہے" اس نے بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

"اوہ یہ کیا ہو گیا اب میں کیا کروں اس ٹانگ کو بھی ابھی زخمی ہونا تھا " پریشانی و غصے کی ملی جلی کیفیت میں گھر کر اس نے زور سے اپنی زخمی ٹانگ پر ہاتھ مارا جس سے درد کی ایک تیز لہر اس کے پورے بدن میں دوڑ گئی اور وہ کراہ کر رہ گیا۔



"ارے۔ یہ کیا کر رہے ہو سٹیچز کھل جائیں گے " وہاج نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"یہاں کئی زندگیاں داؤ پر لگی ہیں اور تم ان معمولی سٹیچز کے لیے پریشان ہو رہے ہو " اس نے اپنا ہاتھ کھینچ کر طنزیہ انداز میں کہا۔اس اچانک پڑنے والی آفت نے اسے تھوڑا ہائپر کر دیا تھا ورنہ شکل سے وہ بہت دھیمے مزاج کا انسان لگ رہا تھا۔

وہاج نے بہت غور سے اسے دیکھا تھا۔وہ تقریباً اسی کا ہم عمر تھا لیکن اس کی ذہنی حالت اس کو پہنچنے والے کسی بہت بڑے صدمے کی غماز تھی۔اس کی آنکھوں میں درد کا اتنا گہرا تاثر تھا کہ بہت دیر تک وہ اس کی آنکھوں پر سے اپنی نظریں ہٹا نہیں پایا۔

"دیکھو اگر تم مجھے اپنی پرابلم بتاؤ تو شاید میں تمھاری کچھ مدد کر سکوں"کچھ دیر بعد جب وہ بولا تو اپنے ہی لفظوں پر اسے جی بھر کر حیرانی ہوئی تھی۔پتا نہیں یہ ہمدردی تھی یا ندامت یا شاید تھوڑی دیر پہلے وہ جس جذباتی کیفیت سے گزر رہا تھا یہ اسی کا اثر تھا۔بہر حال جو بھی تھا، یہ لمحہ وہاج حسن کی زندگی کا سب سے عجیب و غریب لمحہ تھا۔

"ہاں تم میری مدد کر سکتے ہو مجھے مظفر آباد پہنچا دو کسی بھی طرح میری فیملی پتا نہیں وہ سب کس حال میں ہوں گے

کاش میں رکا نہ ہوتا۔ہمیشہ کی طرح فرائی ڈے کو ہی چلا گیا ہوتا لیکن نہیں مجھے تو یونیورسٹی، دوست، پارٹی یہ سب گھر والوں سے زیادہ پیارے تھے نا یہ زلزلہ" وہ خود پر غصہ نکال رہا تھا۔اس کی ہر بات ادھوری ہوتے ہوئے بھی مکمل تھی۔

مظفر آباد کا نام سن کر وہاج ساری صورتحال سمجھ گیا تھا۔اب وہ اس کی ذہنی کیفیت کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ پا رہا تھا۔ٹی وی پر جو کچھ دیکھ کر وہ وحشت کا شکار ہوا تھا،وہ اس کے لیے ایک live show سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔اس زلزلے میں اس نے کسی اپنے کو نہیں کھویا تھا لیکن اس کے باوجود زلزلے سے ہونے والی تباہی دیکھ کر وہ اندر سے ہل کر رہ گیا تھا جبکہ اس کے ساتھ بیٹھا یہ نوجوان شاید اس تباہی میں بہت کچھ کھو چکا تھا یا پھر کھونے والا تھا۔لیکن جو چیز وہاج کو hit کر رہی تھی وہ اس کی آنکھوں میں موجود ڈر تھا کسی اپنے کو کھو دینے کا ڈر اچانک اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی تھی کہ وہ ان آنکھوں سے ڈر کا یہ تاثر مٹا دے اور ان میں خوشی اور مسکراہٹ بھر دے بس ایک پل اور فیصلہ ہو گیا جس احساس سے گھبرا کر وہ بھاگنا چاہ رہا تھا اس نے پوری طرح سے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

"میں تمھیں لیکر جاؤں گا وہاں" اس نے مطمئن سے انداز میں کہا اور گاڑی سٹارٹ کر دی۔اس نوجوان نے کسی قدر حیرانی سے اسے دیکھا لیکن اس کے چہرے پر پھیلا اطمینان دیکھ کر اس نے خاموشی سے سیٹ کی بیک سے سر ٹکا دیا۔

اب اس کے چہرے پر بھی ہلکاسا اطمینان نظر آرہا تھا۔

☆☆☆

سفر کئی گھنٹوں کا تھا لیکن ابھی اس نے آدھا راستہ ہی طے کیا تھا کہ اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے جیب سے موبائل نکال کر دیکھا تو اس پر مام کا نام بلنک کر رہا تھا۔ شاید اس کی اتنی لمبی غیر حاضری نے انھیں پریشان کر دیا تھا۔

"یس مام!" اس نے ایک ہاتھ سے سٹیئرنگ تھاما اور دوسرے ہاتھ سے موبائل آن کر کے کان سے لگالیا۔

"وہاج! کہاں ہو تم کچھ بتا کر بھی نہیں گئے پتا ہے میں کتنا پریشان ہو رہی تھی" دوسری طرف سے ان کی پریشان سی آواز سنائی دی۔

"مام! میں ٹھیک ہوں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں کل تک واپس آجاؤ نگا" take it easy

"وٹ آر یو میڈ وہاج! یہاں کیا حالات ہیں اور تمہیں کچھ نہیں جانتی۔ اگلے ایک گھنٹے تک میں تمھیں گھر میں دیکھنا چاہتی ہوں" ان کا لہجہ حیرت کے ساتھ ساتھ تحکم سے بھرپور تھا۔



"مام I can't come! ویسے بھی میں قدم بڑھا چکا ہوں اور اب واپس آنا حماقت ہو گی" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم آخر ہو کہاں اور کیا کرنے جا رہے ہو" اس کی سنجیدگی نے انھیں ڈرا دیا تھا اور یہ ان کے لہجے سے صاف ظاہر تھا۔

"ڈونٹ وری مام! میں کچھ غلط نہیں کرنے جا رہا ہوں اب تک میں خود کو آزماتا آیا ہوں لیکن آج میں یہ موقع زندگی کو دینا چاہتا ہوں حالانکہ اب تک میں ٹھیک سے کچھ طے نہیں کر پایا ہوں۔ بس دیکھنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ خود کو لہروں کے سپرد کر دیتے ہیں ان کا انجام کیا ہوتا ہے کیوں کہ لہروں کے مخالف جا کے تو میں نے دیکھ لیا ہے۔ اس لیے اب" اس کا طمینان قابل دید تھا اور دوسری طرف سے وہ چیخ اٹھیں۔

"سٹاپ دس نان سینس وہاج! یہ آخر تمھیں ہو کیا گیا ہے کیوں مجھے پریشان کر رہے ہو۔ پلیز گھر آ جاؤ" بولتے بولتے آخر میں ان کی آواز رندھ گئی۔

"بلیو می مام! میں یہ سب آپ کو پریشان کرنے کے لیے نہیں کر رہا ہوں" اس نے یقین دلاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر"!

I don't know why ''لیکن مجھے ایسی فیلنگ ہو رہی ہے جیسے یہ سفر میری زندگی میں کوئی بہت بڑی تبدیلی لانے والا ہے کچھ ہے جو مجھے اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور وہ کچھ کیا ہے یہ میرے لیے جاننا بہت ضروری ہے۔ please try to understand me " اس نے اتنے مدلل انداز میں اپنا نقطہ نظر پیش کیا کہ کچھ دیر کے لیے دوسری طرف بالکل خاموشی چھا گئی۔

''پتا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ٹھیک ہے جیسے تمھاری مرضی لیکن اپنا خیال رکھنا ''کچھ دیر کے بعد ان کی بکھری ہوئی آواز سنائی دی۔

" I will ''اس نے کہا اور موبائل آف کر کے واپس جیب میں رکھ لیا۔یونہی اس نے ایک نظر ساتھ بیٹھے اس نوجوان پر ڈالی جس کی آنکھیں بند تھیں لیکن اس کے چہرے کے تاثرات سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنے اندیشوں اور واہموں کو دور کرنے کے لیے ماضی کے خوبصورت لمحوں کو یاد کر رہا ہے۔

☆☆☆

وہ مظفر آباد پہنچے تو شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔وہ ایک طویل اور تھکا دینے والا سفر طے کر کے یہاں تک پہنچے تھے لیکن جس قیامت کے آثار وہ راستے میں دیکھتے آئے تھے،وہ کس طرح قہر بن کر ٹوٹی تھی اس کا صحیح اندازہ اسے اب ہو رہا تھا۔

نوجوان کی بتائی ہوئی جگہ پر وہاج نے گاڑی روکی تو وہ بڑی بے تابی سے دروازہ کھول کر اترا ۔ایک پل کے لیے اس کے قدم ڈگمگائے لیکن اس نے دروازے کا سہارا لے لیا اور پھر ایک عزم کے ساتھ وہ لنگڑاتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔وہاج نے اسے آواز دینا چاہا لیکن یہ سوچ کر وہ حیران رہ گیا کہ جس کا درد محسوس کر کے وہ یہاں تک چلا آیا تھا وہ اس کا نام بھی نہیں جانتا وہ اسی سوچ میں غلطاں گاڑی سے اتر گیا۔وہ اس کے پیچھے جانا چاہتا تھا لیکن اس کے قدم جیسے جم کر رہ گئے تھے۔چاروں طرف ایک سا ہی منظر تھا۔گھر تو کوئی تھا ہی نہیں بس آثار بچے تھے جن پر گھر ہونے کا گمان کیا جا سکتا تھا۔زندگی کی اتنی ہولناک تصویر اس نے پہلی بار دیکھی تھی اور کانپ کر رہ گیا۔اچانک اسے کسی بچے کے رونے کی آواز سنائی دی۔اس نے چونک کر دائیں طرف دیکھا تو ایک دو سالہ بچہ ملبے تلے دبی کالی چادر پر ہاتھ مار مار کر رو رہا تھا۔اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا اور اس کے قدم بے اختیار اس بچے کی طرف اٹھتے چلے گئے۔بچے کو گود میں اٹھانے کے لیے جھکا تو چادر سے باہر نکلے نسوانی ہاتھ پر اس کی نظر پڑی۔اس نے چادر ہٹائی تو بس ہاتھ ہی ملبے سے باہر نظر آ رہا تھا۔اس نے اندازے سے



اپنے ہاتھوں کی مدد سے جلدی جلدی مٹی ہٹائی تو تھوڑی سی کوشش کے بعد اس عورت کا چہرہ بھی ملبے سے باہر آ گیا۔ اس نے فوراً ہی اس کی سانسیں محسوس کرنے کی کوشش کی لیکن بہت دیر ہو چکی تھی۔ موت کے بے رحم شکنجے نے ایک معصوم کی جان لے لی تھی۔ یہ دیکھ کر اس کے حواس معطل ہو رہے تھے۔ بچہ ابھی تک رو رہا تھا۔ اس نے بچے کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کا پورا جسم ہولے ہولے لرز رہا ہے۔ موت کتنی بے رحم ہوتی ہے اس کا اندازہ اسے بخوبی ہو رہا تھا۔ بچہ اب بھی روئے چلے جا رہا تھا۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ تب اس کی نظر ایک اور خاتون پر پڑی۔ اس کے آس پاس لوگ ادھر سے ادھر بھاگتے پھر رہے تھے لیکن وہ تو جیسے ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چکی تھی بس پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اپنے سامنے بے حس و حرکت پڑے بچے کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہاج نے ایک پل کے لیے سوچا اور پھر اس روتے ہوئے بچے کو لے جا کر اسی بچے کے پہلو میں بٹھا دیا اور خود اس سے ذرا فاصلے پر کھڑے ہو کر دیکھنے لگا۔ بچہ مسلسل رو رہا تھا لیکن اس عورت نے اب تک اس پر کوئی دھیان نہیں دیا تھا۔ آخر بچہ گھٹنوں کے بل چل کر اس عورت کے پاس گیا اور اس کی چادر پکڑ کر کھینچنے لگا۔ روتے ہوئے بچے نے جب اس عورت کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارا تو جیسے اس بے جان وجود میں جان آ گئی۔ بچے کو یوں بلکتا دیکھ کر ممتا تڑپ اٹھی اور اس نے بچے کو سینے سے لگا لیا۔

اب وہ آہستہ آہستہ اسے تھپک رہی تھی اور بچے کا رونا بھی اب ہلکی ہلکی ہچکیوں میں بدل چکا تھا۔وہ خاموشی سے وہاں سے ہٹ گیا اور بھاری قدموں سے چلتا ہوا اپنی گاڑی کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔اس نے ایک طائرانہ نگاہ چاروں طرف دوڑائی اسے لگا کہ اب وہ یہاں سے واپس نہیں جا پائے گا۔اس زمین نے اس کے قدموں کو زنجیر کر لیا ہے اندھیرا گہرا ہو چکا تھا اور اس کے ساتھ ہی لوگوں کی دم توڑتی امیدیں ان کے بے بس چہروں پر لکھی صاف نظر آ رہی تھیں۔اس نے ایک گہرا سانس خارج کیا اور سوچوں میں گھرا گاڑی کی پچھلی نشست پر دراز ہو گیا۔

☆☆☆

صبح کی روشنی نمودار ہوتے ہی وہ اٹھ گیا حالانکہ ساری رات اس کی جاگتے ہوئے گزری تھی۔یہاں جو کچھ اس نے دیکھا تھا اس کے بعد تو سو جانے کا تصور ہی محال تھا لیکن اس کے لیے یہ رات خود احتسابی کی رات تھی۔شاید اسی لیے ساری رات جاگنے کے باوجود نیند کا ہلکا سا شائبہ بھی اس کی آنکھوں میں موجود نہ تھا۔روشنی کی ایک کرن گھپ اندھیرے کا دامن



کیسے چیر دیتی ہے ،یہ وہ آج ہی جان پایا تھا اور وہ بھی اس لیے کہ اس کے اپنے اندر کے اندھیرے کو آگہی کی روشنی مل گئی تھی۔ صبح کی روشنی پوری طرح پھیلنے کے بعد لوگ پھر سے کوششوں میں لگ گئے تھے کہ شاید کسی کو ان قبروں میں زندہ دفن ہونے سے بچا سکیں۔کچھ امدادی ٹیمیں بھی یہاں آکر کام کر رہی تھیں۔وہ بھی ان میں سے ایک ٹیم کے ساتھ شامل ہو گیا۔ان لوگوں کی پہلی ترجیح یہی تھی کہ اگر کوئی ملبے کے نیچے اب بھی سانسیں لے رہا ہے تو اسے نکال پائیں اور جو زخمی ہوئے ہیں انھیں میڈیکل کیمپ تک پہنچایا جائے۔وہاج بھی ان لوگوں کے ساتھ پوری تندہی سے اپنی کوششوں میں لگا ہوا تھا اور شام تک ان کی ٹیم آٹھ نو لوگوں کو ملبے سے نکال چکی تھی۔ان میں سے کچھ تو خاصے زخمی تھے جنھیں وہاج نے خود میڈیکل کیمپ تک پہنچایا تھا جبکہ دو بچوں کو بہت ہی معمولی چوٹیں آئی تھیں حالانکہ ملبے کے اندر جس پوزیشن میں وہ تھے اس میں ان کا بچ جانا ایک معجزہ ہی تھا مگر جسے اللہ رکھے

وہاج اور اس کی ٹیم ایک گھر کا ملبہ ہٹا رہے تھے کہ انھیں ہلکی ہلکی سسکیاں سنائی دیں۔ان سب نے اپنے اپنے ہاتھ روک لیے اور بہت غور سے آواز کی سمت کا اندازہ لگانے لگے۔آواز پچھلی سمت سے آرہی تھی۔وہ سب گھوم کر پیچھے چلے گئے۔گھر کی پچھلی دیوار پوری طرح گری نہیں تھی بلکہ اب بھی آدھی دیوار قائم تھی اور اسی وجہ سے چھت آگے

کی طرف سے تو پوری زمین پر آگری تھی جبکہ پیچھے اس دیوار کے سہارے ٹکی تھی۔سسکیوں کی آواز اب ذرا تیز ہو گئی تھی۔

"اندر کوئی ہے اندر کوئی ہے" وہاج نے زور زور سے آوازیں دینی شروع کر دیں۔

"بابابابا" کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں کچھ ٹوٹے پھوٹے لفظ انھیں سنائی دیئے تھے۔بچے کی آواز بتا رہی تھی کہ وہ بمشکل سات آٹھ سال کا ہے اور پچھلے تیس گھنٹوں سے اندر بند ہونے کی وجہ سے بہت خوفزدہ ہے۔

"بچہ کافی چھوٹا ہے اور ڈرا ہوا بھی لگ رہا ہے۔۔۔۔۔مجھے اندر جانا پڑے گا " وہاج نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"اندر جانا خطرناک ہو سکتا ہے " امدادی ٹےم میں سے ایک لڑکے نے کہا۔

"رسک تو لینا پڑے گا" وہاج نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تو وہ سب اندر جانے کے لیے راستہ بنانے لگے۔ان کی پوری کوشش تھی کہ ملبہ اس طرح ہٹایا جائے کہ دیوار کو کوئی نقصان نہ پہنچے کیوں کہ چھت کو اسی دیوار کا سہارا تھا اور اندر کی صورتحال سے وہ اب تک لا علم تھے۔کافی تگ ودو کے بعد آخر وہ اتنا راستہ بنا لینے میں کامیاب ہو گئے کہ ایک آدمی سینے کے بل گھسٹ کر اندر داخل ہو جائے۔

"ایک بار پھر سوچ لو " اسی لڑکے نے دوبارہ اسے خطرے سے آگاہ کرنا چاہا۔



"میں نے زندگی میں زیادہ تر کام بنا سوچے ہی کیے ہیں" اس نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے کہا اور ایک نظر آسمان پر ڈال کر سینے کے بل گھسٹتے ہوئے اندر داخل ہو گیا۔

بچہ دیوار کے قریب ہی سکڑا سمٹا بیٹھا تھا۔ اندھیرے کے باوجود وہ اس بچے کی آنکھوں میں منجمد خوف دیکھ چکا تھا۔ اس نے دیوار کے سہارے بیٹھ کر بچے کو اپنے سینے سے لگا لیا تاکہ اس کا ڈر کچھ کم ہو جائے ورنہ بچے کے چہرے پر پھیلی وحشت دیکھ کر اسے یہ خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں اس کا ہارٹ فیل ہی نہ ہو جائے۔ اس کی دھڑکنیں کچھ تھمیں تو اس نے اسے crawling کراتے اسی راستے سے باہر بھیج دیا۔

"وہاج! بچہ صحیح سلامت پہنچ گیا ہے۔ اب تم بھی باہر آ جاؤ" اسی لڑکے کی آواز اسے دوبارہ سنائی دی جو اسے اندر آنے سے روک رہا تھا۔

بچے کے صحیح سلامت باہر پہنچنے کا سن کر اس کے اندر اطمینان پھیل گیا۔ پھر وہ جیسے ہی دیوار سے ہٹ کر اس سرنگ نما راستے کی طرف بڑھا اچانک زلزلے کا ایک ہلکا سا جھٹکا لگا۔ کمزور دیوار یہ ہلکا سا جھٹکا بھی نہ سہہ سکی اور زمین بوس ہو گئی۔ اس کے گرتے ہی چھت اس کے اوپر آ گری۔ درد کی ایک تیز لہر اس کے پورے جسم میں دوڑ گئی جس نے اس کے ڈوبتے ہوئے ذہن کو پھر سے بیدار کر دیا۔ اس کا پورا دھڑ چھت کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اس لیے وہ کوشش کے باوجود ایک انچ بھی حرکت نہ کر پایا۔ اس کے سر میں درد کی شدید ٹیسیں اٹھ

رہی تھیں۔اس نے اپنے سر پر ہاتھ لگایا تو اسے کچھ نمی سی محسوس ہوئی اور پھر کانوں کے قریب سے بہتا خون بھی اسے محسوس ہو گیا۔اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ رینگ گئی۔

"وہاج وہاج" اپنے نام کی پکار اسے صاف سنائی دے رہی تھی لیکن اس کی اپنی آواز جیسے حلق میں ہی اٹک کر رہ گئی تھی۔

مام ڈیڈ میں" اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔باہر سے آنے والی آوازیں بھی اب مدھم پڑنے لگی تھیں۔اور

پھر موت جیت گئی۔موت کا تعاقب آج اپنے اختتام کو پہنچ گیا تھا،موت اپنے شکار کو گھیر گھار کر وہیں لے آئی تھی جہاں اُسے آنا تھا۔



----اختتام----

